© rasailojaraid.com

اداریہ دینی مدارس..... اہمیت اور ضرورت

برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے جہاں بہت ساری قدریں تبدیل ہوئیں اور معاشرے میں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تفریق پیدا ہوئی، وہاں تعلیم میں بھی طبقاتی تقسیم کا آغاز ہوا۔ حکومت کے زیر اہتمام چلنے والے سکولوں میں درجہ بندی کا اہتمام کیا گیا۔ جاگیرداروں، وڈیروں، سرداروں، نوابوں اور خانوں کے لئے ایسے سکول بنائے گئے جن کی چار دیواری کے اندر غریب کا بچہ جھانک کر دیکھنے کی بھی جسارت نہیں کر سکتا تھا جبکہ عام سکولوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ٹاٹوں، کھلی چھتوں اور تعلیمی ضروریات سے محروم یہ سکول احساس محرومی کے سوا کچھ نہ دے سکتے تھے۔ دولت کی طرح تعلیم بھی چند گھرانوں میں بٹ کر رہ گئی۔ اس طبقاتی اور غیر منصفانہ تقسیم میں دینی تعلیم خود بخود معدوم ہوتی چلی گئی جس کا پہلے بھی نہ ہونے کے برابر انتظام تھا جوکہ برصغیر میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کی اہم بنیادی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کو وقت کے جید علماء نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور متبادل ذرائع اختیار کرتے ہوئے دینی مدارس کی بنیادیں رکھیں۔

یہ مدارس نہ صرف دینی علوم کی تدریس کا اہتمام کرتے بلکہ ان میں وقت کے تقاضوں کے عین مطابق جدید علوم جن میں ریاضی، کیمیا، جغرافیہ اور طب وغیرہ خاص طور پر پڑھایا جاتا تھا۔ یہی وہ مدارس تھے جن سے یگانہ روزگار ہستیوں نے تعلیم حاصل کی اور اپنے تبحر علمی کی بدولت شہرت کی بلندیوں کو چھوا اور برصغیر میں علمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی اپنا لوہا منوایا۔ یہ دینی مدارس کا ہی اعجاز تھا کہ سخت سے سخت آزمائش میں بھی ان مدارس کے فیض یافتگان کے پاؤں میں لغزش پیدا نہ ہوئی اور استقامت کے بڑے بڑے مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ کالا پانی کو آباد کرنے والے علماء ان دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہی تو تھے۔

اس بات میں کبھی دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ یہی مدارس اسلام کے قلعے ثابت ہوئے، جن کے لگائے ہوئے فکری پودے آج تناور درخت اور ثمر آور ہو چکے ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برصغیر میں بسنے والے کروڑوں مسلمان ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔

یہ صورت حال آج بھی قائم ہے۔ قیام پاکستان کے بعد کسی حکمران نے دینی تعلیم کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ چونکہ تمام حکمران مغربی افکار سے متاثر تھے جن کے نزدیک دین محض ایک شخصی مسئلہ ہے۔ اس لئے انہوں نے اس اہم ضرورت کو کبھی محسوس نہ کیا اور نہ ہی اس تعلیم کو عام کرنے کیلئے خصوصی انتظامات کئے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی اپنی مدد آپ کے تحت دینی مدارس وجود میں آئے اور بعض درد دل اصحاب الخیر نے دل کھول کر ان کی مالی اور اخلاقی مدد کی۔ ان میں بعض ایسے مدارس بھی ہیں جو اپنے بہترین نظام اور عمدہ نصاب تعلیم کی بدولت کسی یونیورسٹی سے کم درجہ پر نہیں ہیں لیکن حکومت کی بے اعتنائی کی وجہ سے آج تک ان کی حیثیت تسلیم نہ کی گئی بلکہ اس کے برعکس ہر ممکن حد تک ان تعلیمی اداروں کے خلاف اقدامات کئے جاتے رہے ہیں۔ کبھی قید خانے کی دھمکی اور کبھی منتظمین کے خلاف اقدامات سے انکو ہراساں کیا جا رہا ہے۔ صرف جنرل ضیاء الحق شہید کے دور میں ان مدارس کے ساتھ کچھ بہتر سلوک ہوا۔ ان کی اسناد کو قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن اس کے بعد تو ان مدارس کا گھیراؤ تنگ کر دیا گیا۔ خاص کر محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور میں تو اس کی انتہا ہو گئی۔

خفیہ ایجنسیاں آئے دن تفتیش میں مصروف ہیں۔ طلبہ کی فہرستیں، اساتذہ کرام کے نام اور تعلیمی کوائف ادارے کے نام زمین اور ذریعہ آمدن اور معطی حضرات کے مکمل کوائف بار بار طلب کئے جاتے ہیں۔ خاص کر ایسے ادارے جن کے سربراہان کا تعلق اپوزیشن سے ہے۔

موجودہ حکومت کا یہ طرز عمل تو قابل فہم ہے کیونکہ انکے افکار اور عزائم بالکل واضح ہیں۔ انکی مغربیت پسندی اور لادینیت سب پر عیاں ہے۔ اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی لئے یہ انتہائی قدم بھی اٹھانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ لیکن دکھ اور افسوس تو ان حضرات پر ہے جو انہی مدارس سے فارغ التحصیل ہیں اور اعلیٰ مناصب یا دینی تنظیموں کے سرکردہ افراد میں سے ہیں اور مدارس کے خلاف دانستہ طور پر اظہار نفرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں۔ انکی شدید مخالفت کرتے ہیں اور انکی افادیت اہمیت اور ضرورت سے انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان تنظیموں میں شامل نوجوانوں کی اکثریت دینی مدارس کی فارغ التحصیل ہی ہے۔ جن کی اعلیٰ صلاحیتوں سے یہ بھرپور فائدہ بھی اٹھاتے ہیں لیکن اب شعوری طور پر ان مدارس کے خلاف زہر اگلتے ہیں اور حکومت وقت کاکام آسان کر رہے ہیں تاکہ یہ مدارس جلد از جلد اپنے انجام کو پہنچیں۔ جو کام حکومت خود کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہے اور عوام کے شدید رد عمل سے خوفزدہ ہے وہی کام یہ نادان دوست بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے کر رہے ہیں۔ جگہ جگہ اپنے اجتماعات اور جلسوں میں اس کا برملا اظہار بھی کر رہے ہیں اور فلسفہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان مدارس کی موجودگی میں آج تک کونسا انقلاب آیا ہے۔ اصل کام صرف جہاد ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے مسجد نبوی میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت سارے اصحاب رسول اصحاب صفہ کی شکل میں کسب فیض کرتے رہے ہیں۔

قرآن حکیم میں برملا ارشاد ہے۔

فلو لا نفرمن کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (التوبہ)

اب دین کے بارے میں فہم اور فقاہت حاصل کرنا اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کرنا ایک ایسا فریضہ ہے جو مدارس بڑی خوبی سے ادا کر رہے ہیں۔ یقیناً اکناف عالم سے طلبہ سفر کر کے ان مدارس میں آتے ہیں۔ کسب علم کرتے ہیں اور ابلاغ رسالہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

اگر خدانخواستہ یہ مدارس نہ رہیں، ان کی عدم موجودگی میں یہ اہم ترین فریضہ کون انجام دے گا۔ یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ دعوت و ارشاد کا کام بھی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک علم میں رسوخ حاصل نہ کیا ہو اور یہ کام تب تک ممکن نہیں جب تک کسی عالم کے سامنے زانوئے تلمذ نہ طے کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ انبیاء کو علماء

© rasailojaraid.com

پر صرف دو درجے فضیلت حاصل ہے اور علماء کو شہداء پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔ علم حاصل کرنا نفلی نماز سے افضل ہے۔

یہ بات طے ہے کہ مدارس کی اپنی اہمیت اور ضرورت ہے۔ اس کے بغیر نہ تو علماء کی کھیپ تیار ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان تنظیموں کو افرادی قوت میسر آ سکتی ہے۔ محض اپنی ذاتی حوس اور مفادات کی خاطر ان مدارس کی مخالفت کسی طرح انکو زیب نہیں دیتی۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ یہ دوست کھلی آنکھوں اور بیدار دماغ کے ساتھ حالات کا جائزہ لیں گے اور مدارس کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کریں گے اور اس کی مخالفت ترک کر دیں گے۔

بقیہ غنیۃ الطالبین

منسوخ سمجھیں گے۔ پاک وہند کے احناف نے تو سرے سے بعض کتب کا انکار ہی کر دیا مثلاً مولوی احمد رضا صاحب جو بریلوی مشرب کے بہت بڑے عالم تصور کئے جاتے ہیں وہ انگریز کے حامی ہونے کے ساتھ ساتھ اہل حدیث (وہابی) سے سخت حسد رکھتے تھے انہوں نے ہر وہ بات کی جس سے اہل حدیث ختم ہو کے رہ جائیں مگر اللہ تعالیٰ جس کو قائم دائم رکھنا چاہے کون ختم کر سکتا ہے مولوی احمد رضا کی ایک کتاب جس کا نام کلمتہ حق ہے اس میں انگریز کو خراج تحسین پیش کیا گیا اب یہ حضرات اس کتاب کا انکار کرتے ہیں کہ ان کی کتاب ہی نہیں بلکہ فہرست سے بھی خارج کر دی گئی ہے ہم یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ اس کتاب کا حوالہ بریلوی عبدالشاہد شروانی نے دیا ہے وہ لکھتے ہیں جناب مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم اور مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم میں خیالات وعقائد کے لحاظ سے بعد المشرقین تھا مگر جہد حریت کے خلاف تحریک خلافت کے دور میں دونوں بزرگ متفق ہو گئے تھے کلمتہ حق میں مولانا نے اسی پر تبصرہ فرمایا ہے (باغی ہندوستان صہ ۲۲۴) آج کل بھی بریلوی حضرات غنیتہ کا انکار کرتے نظر آئیں گے مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی حضرت شیخ عبدالقادر حنبلی مسلک رکھتے تھی بلکہ بعض نے تو لکھا ہے وہ اس مسلک سے بھی کنارہ کش ہو گئے تھے ان کا مقام مجتہد کا ہو گیا تھا بریلوی حضرات کیوں اس کو خواہ مخواہ اپنے کھاتے میں ڈالتے ہیں اگر وہ لکھتے ہیں کہ حنیفہ فرقہ مرجیہ ہے تو چیخ وپکار کرتے نظر آتے ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے یہ سب کچھ پیٹ کا دھندہ ہے اللہ بچائے رکھے آج کل تو حنفی حضرات نے بڑے شور و غل سے اس بات کا انکار کیا ہے کہ یہ غوث صاحب کی کتاب نہیں ہے مگر عرض کرتے ہیں جناب من جب کہ صاحب کا تعلق حنبلی مشرب سے ہے تو آپ کیوں ان کی وکالت کرتے ہیں

© rasailojaraid.com